ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

عبداللہ حسین کے ناول ''باگھ'' کا اسلوبی مطالعہ

عرفان علی، تفضل حسین: ریسرچ سکالرز، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس

Abstract:
The writing style of an author, born from the merging of thought and meaning, is termed their "style". Abdullah Hussain, a prominent novelist, skillfully meets all storytelling requisites. His writing reflects in its arrangement, language usage, composition, expressive mastery, and relevance to characters and themes. Hussain's style incorporates passion, vividness, simplicity, and conciseness, employing symbolism and imagery for brevity and imaginative depth. His novel "Bagh" (1982) delves into the 1965 Indo-Pak war and its Kashmir aftermath, shedding light on military and police culture. Through symbolic and metaphorical expression, Hussain captures societal injustices and historical contexts like the partition of India. His adeptness in portraying diverse characters and settings further underscores his exceptional style. While all his novels garnered popularity, "Bagh" stands out artistically, exemplifying Hussain's storytelling prowess.

Key Words: Style, Storytelling, Expression, Symbolism ،Passion

کسی مصنف کے طرز تحریر، سٹائل یا انداز نگارش کو اسلوب کا نام دیا جاتا ہے۔ اسلوب دراصل فکر و معانی اور ہیئت و صورت کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ عبداللہ حسین اپنے عہد کے ایک اہم ناول نگار ہیں۔ انھوں نے قصہ گوئی کے تمام تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ ان کے الفاظ کی نشست و برخاست، تراکیب کا استعمال، ترکیب سازی، علم بیان کی ہنر کاری، موقع محل موضوع اور کرداروں سے مطابقت دکھائی دیتی ہے۔ تحریر میں سوز و گداز اسلوب کا اہم جزو ہے۔ جو قاری کے دل میں ہمدردی اور رحم کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔ سادگی اور اختصار بھی لازمی اجزاء مانے جاتے ہیں جو عبارت میں حسن و متانت پیدا کرتے ہیں۔ اختصار کے لیے ایمائی اور رمزیہ طرز اپنایا جاتا ہے۔ خیال افروزی بھی اسلوب کا ایک ایسا وصف ہے جس میں ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو معانی سے لبریز ہوتے ہیں۔ ان تہہ دار الفاظ کے ساتھ کچھ خیالات اور افکار بھی آتے چلے جاتے ہیں۔ جن سے نئے خیالات اور افکار پیدا ہوتے ہیں، جو قاری کو محو کر دیتے ہیں۔ ان خصوصیات کی وجہ سے ناول کے اثر میں شدت پیدا ہو گئی ہے۔ مصنف اسلوب کی تازگی اور مواد کی قدرت کی بدولت قاری کے لیے جاذبیت رکھتے ہیں۔

عبداللہ حسین کا ناول ''باگھ'' ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ ''باگھ'' کا موضوع ۱۹۶۵ء کی پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ اور اس کا پس منظر کشمیر میں ہونے والی کارروائیوں سے متعلق ہے۔ اس ناول میں مصنف نے فوجی آمریت اور تھانہ کلچر سے متعلق وضاحت سے بیان کیا ہے۔ عام آدمی کو انجانے خوف میں مبتلا رکھنے کو وضاحت سے موضوع کا حصہ بنایا گیا ہے۔ معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کو کھل کر سامنے لایا گیا۔ مصنف برصغیر کی تاریخ کے اہم دور کے عہد میں موجود تھے۔ ہندوستان کی تقسیم، فسادات، سیاسی و سماجی حالات، تحریک آزادی اور مہاجرت کے مسائل وغیرہ نے مصنف کا تخلیقی منظر نامہ تشکیل دیا۔ ناول کے موضوع پر ڈاکٹر ممتاز احمد لکھتے ہیں:

> ''عبداللہ حسین نے نہ صرف ماضی قریب اور حال کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی زندگی کو ڈائی مینشنز کے ساتھ پیش کیا ہے بلکہ اپنے مخصوص ورژن سے پڑھنے والوں کو بھی متاثر کیا ہے۔''(۱)

مزاحمتی ادب تحریر کرنے کا آغاز اس وقت ہوا جب ناول ''باگھ'' لکھا گیا۔ عبداللہ حسین نے ''باگھ'' کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ناول کا ہیرو اسد اور ''باگھ'' دونوں میں تقریباً ایک جیسی علامات دکھائی دیتی ہیں۔ ناول میں اسد اور ''باگھ'' کی بے باکی، تنہائی اور بے قراری ایک جیسی ہی ہیں۔ عبداللہ حسین اپنے ناول ''باگھ'' میں موقع محل کی مناسبت سے کرداروں کو پیش کرتے ہیں۔ ناول ''باگھ'' ایک محبت کی کہانی بھی سمجھی جاتی ہے۔ اسد کی زندگی میں حرارت رہتی ہے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے مطابق:

> ''''باگھ'' کا موضوع محبت ہے، مگر یہ محبت روایتی کہانیوں کی پرچھائیوں سے یکسر آزاد ہے۔ محبت کی عام کہانیوں میں دو چاہنے والوں کے درمیان سماج دیوار بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ چاہنے والے اس دیوار کو گرانے میں اپنا پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔۔۔ ''باگھ'' میں سماج۔۔۔ حائل نہیں رہتا۔''(۲)

عبداللہ حسین کے ناول ''باگھ'' میں باگھ کسی بھی وقت درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غائب ہو جاتا ہے اور لوگوں کو دکھائی بھی نہیں دیتا۔ عاصم بٹ اس کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

''گاؤں بھر میں اس دکھائی نہ دینے والے جانور کے بارے میں ان گنت قصے مشہور ہیں۔کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اسے دیکھا ہے یا کم از کم وہ اسے دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔یہ باگھ اسد ہی کی طرح بے چین ہے اور اس کی دھاڑ میں اکلاپے کا دکھ ہے۔اسد اور باگھ کے درمیان یہ ایک علامتی تعلق ہے۔دونوں ہی تسلط حاصل کرنے کے لیے خواہش مند ہیں اور بے قرار ہیں دونوں ہی نڈر اور بے باک ہیں اور کسی جبر یا غلامی کی کیفیت کو برداشت نہیں کرتے یہیں سے ہمیں باگھ کی کہانی کا بنیادی موضوع ہاتھ آتا ہے اور وہ ہے آزادی کی خواہش۔''(۳)

عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''باگھ''میں ہیرو،ہیروئن اور ضمنی کرداروں سے خوب کام لیا ہے۔مصنف نے کامیاب کردار نگاری کی ہے اور کرداروں کو موقع محل کے مطابق استعمال کیا ہے۔ان کے کردار زندگی کی بھرپور ترجمانی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ہر کردار اپنی اہمیت رکھتا ہے لیکن کچھ کردار ایسے ہوتے ہیں جو ناول کے آخر تک ضروری اور اہم ہوتے ہیں۔ان کرداروں میں اسد ناول کا ہیرو، یاسمین ہیروئن،فوجی ایجنٹ ذوالفقار،شاہ رخ،ولی چوکیدار،امیر خان اور ریاض شامل ہیں ضمنی کردار کہانی کو آگے لے کر چلتے ہیں۔اسد کے کردار کے بارے میں ڈاکٹر اصغر بلوچ یوں لکھتے ہیں:

''اس لحاظ سے ہمہ رخی ہے کہ مختلف حالات میں مختلف انداز میں اپنا ردعمل ظاہر کرتا ہے۔کہیں وہ ایک بیمار مجہول نوجوان ہے، کہیں محبت کے نشے میں مخمور،کہیں اداس اور تنہائی زدہ،کہیں ذوالفقار کے ہاتھوں آسانی سے یرغمال،اور کہیں مقبوضہ کشمیر کے مجاہدین آزادی کی تحریک سے براہ راست منسلک اور برسرپیکار اور کہیں بے خانماں،بے سمت مسافر،یہ سب اسد کے کردار کو ارتقاء اور حقیقی زندگی سے قریب کرتے ہیں۔''(۴)

اسد یاسمین سے محبت کرتا ہے لیکن زیادہ تر وہ اپنی انا کو اہمیت دیتا ہے۔اسد یاسمین کے پاس ہونے کے باوجود تنہائی محسوس کرتا ہے۔وہ یاسمین کے جسم کا شیدائی ہوتا ہے۔اسد کے کردار میں کچھ خامیاں بھی ہیں۔اس کے باوجود اہمیت کا حامل کردار ہے۔جب میر حسن حکیم محمد عمر قتل ہوتا ہے تو اسد اپنی آنکھوں سے یہ قتل دیکھتا ہے لیکن شامل تفتیش نہیں ہوتا۔اسد ایک سیدھا سادہ نوجوان ہے لیکن فتح کو زیادہ پسند کرتا ہے۔وہ شکست کو پسند نہیں کرتا۔ناصر عباس نیر کے مطابق:

''اسد کریم زندگی کی لا متناہی مشکلوں سے دوچار ہوتا ہے،مگر ظاہراً یہ مشکلیں یاسمین کو پانے کی خاطر نہیں ہیں۔یہ مشکلات ایک انوکھے دیار سے جنم لیتی ہیں۔ہیرو ان مشکلات کو خوش آمدید نہیں کہتا بلکہ عام گوشت پوست کے انسان کی طرح ان سے گھبراتا اور جبلی قوت مدافعت کے زور پر ان سے نپٹتا اور پھر ان پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے۔''(۵)

ناول ''باگھ''میں تمام کردار اسرار کے دبیز پردوں میں چھپے دکھائی دیتے ہیں اور یہ کردار موقع محل کی مناسبت سے گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔باگھ بھی ایک کردار ہے۔یہ آزاد جموں وکشمیر کے پہاڑوں میں رہتا ہے اور اس کی دہاڑ سے پورے علاقے میں خوف وہراس پھیل جاتا ہے۔باگھ نظر نہیں آتا۔اس کے باوجود سنائی دیتا ہے اور سنائی بھی اس طرح دیتا ہے کہ جیسے قریب ہی گرج رہا ہو۔عبداللہ حسین کے ناول ''باگھ''میں یہ کردار ایک معمہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔اس کے بارے میں خالد محمود لکھتے ہیں:

''باگھ ایک درندہ ہے۔بلیوں کی نسلوں سے ہے۔شیروں کی نسلی امتزاج سے ہے۔مگر شیر نہیں باگھ شیر سے طاقتور بھی ہو سکتا ہے،تیز رفتار بھی اور خونخوار بھی مگر شیر کی فطرت میں کچھ ایسی عظیم الشان کمزوریاں بھی ہیں جو باگھ کو نصیب نہیں۔اس کے پاس طاقت،تیزی،چالاکی،پھرتی،پراسراریت اور گمشدگی وغیرہ جیسی اقدار موجود ہیں۔''(۶)

باگھ کسی بھی وقت درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غائب ہو جاتا ہے اور لوگوں کو دکھائی بھی نہیں دیتا ہے۔پورے گاؤں میں اس کے قصے تھے۔جن لوگوں نے باگھ کو دیکھا وہ کہتے ہیں کہ باگھ بھی اسد ہی کی طرح بے چین اور اکلاپے کا شکار ہے۔باگھ اور اسد کسی کی غلامی پسند نہیں کرتے۔حقیقت تو یہ ہے کہ باگھ کی کہانی کا بنیادی موضوع آزادی کی خواہش ہے۔

عبداللہ حسین کے اسلوب کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ اپنے ناول ''باگھ''میں موقع محل،موضوع اور کرداروں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ان کے اس ناول میں ایک کردار یاسمین کا ہے جو اس ناول کی ہیروئن ہے۔یہ اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔یہ کردار اسد کو تقویت پہنچانے کا باعث بنتا ہے۔

یاسمین حکیم محمد عمر کی بیٹی ہے۔یاسمین ابھی چھوٹی ہی تھی جب اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔اب اسد اس کے گھر اس کے والد کے پاس قیام کرتا ہے تو اس دوران وہ یاسمین سے محبت کرنے لگتا ہے۔یاسمین اسد کو اتنا پیار کرتی ہے کہ اسے پیار سے اسدی کہتی ہے۔اسد بھی یاسمین سے اس قدر پیار کرتا ہے کہ وہ اسے یاس کہہ کر پکارتا۔دونوں کی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔یاسمین کا کردار بھی ایک نڈر کردار ہے۔عاصم بٹ لکھتے ہیں:

''عبداللہ حسین کے مرد ہیرو عورت کی داخلی اور کرداری طاقت سے بے خبر نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ باگھ کا اسد اپنی محبوبہ یاسمین کی شبیہ میں باگھ کی شبیہ کو دیکھتا ہے۔''(۷)

عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''باگھ''میں یاسمین کے کردار کو ایک وفاشعار عورت کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ اسد کی دلجوئی کرتی ہے۔ عبداللہ حسین کے اسلوب میں کردار نگاری پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ ولی گمشدہ ایک گاؤں کا چوکیدار ہے۔ ایک بیوہ سے اس کے تعلقات تھے۔ ضعیف لوگوں کے لیے کلنک کا ٹیکہ ہے۔ اس بیوہ کے بیٹے اس کی خوب پٹائی کرتے ہیں۔ عبداللہ حسین کے بقول:

''ولی ایک ست الوجود شخص ہی نہیں جھوٹا بھی تھا۔ سارا گاؤں جانتا تھا کہ جیسے ہی رات بھیگتی، وہ آواز لگانا چھوڑ کر جھٹ سے بیوہ کی کوٹھری میں جا گھستا تھا۔۔۔ ولی اور بیوہ کا جوڑ کچھ فطری تقاضوں اور کچھ آسائش باہمی کے اصولوں پر قائم تھا۔ ولی کو سرد راتوں میں ایک عورت کا گرم بستر اور دن بھر کی گرم روٹیاں میسر آ جاتی تھیں اور بیوہ کے لیے گھر باہر کا کام کروانے اور موقع بہ موقع گالیاں دینے کو ایک مرد کی ذات موجود تھی۔۔۔ آدھی رات کے وقت زوردار چیخوں اور کوسنوں کی آوازوں سے اچانک آدھا گاؤں جاگ اٹھا۔۔۔ اسی واقعے کے اگلے ہی روز باقاعدگی کے ساتھ بیوہ کے دونوں بیٹے رات کے پہلے پہر ولی کو گاؤں کی کسی گلی میں جا لینے اور نہایت خاموشی سے لاتوں اور گھونسوں سے اس کی مرمت کر کے واپس چلے آتے۔''(۸)

عبداللہ حسین نے حکیم کے کردار کو بھی احسن طریقے سے پیش کیا ہے۔ ان کا نام محمد عمر ہے۔ محمد عمر طب کا کام کرتے تھے۔ ان کی دوائیں فائدہ مند بھی تھیں۔ جب حکیم کے گاؤں میں اسد آتا ہے تو اس کے بعد حکیم کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ حکیم کو کس لیے قتل کیا گیا۔ ناول میں اس کا جواب نہیں ملتا۔ پولیس اس کو اس کے قتل کے شک میں گرفتار کر لیتی ہے لیکن بعد میں چھوڑ دیتی ہے۔ عبداللہ حسین کے اسلوب کی یہ مہارت ہے کہ قاری مکمل ناول پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

عبداللہ حسین نے ناول ''باگھ''میں تھانیدار کے کردار کو کہانی کی ضرورت کے مطابق اور موقع محل کی مناسبت سے پیش کیا ہے۔ یہ کردار پاکستان میں موجود آج کے دور کی بھی عکاسی کرتا ہے کہ جیل میں موجود قیدیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے اور پولیس قیدیوں سے کس طرح کی زبان استعمال کرتی ہے۔ اسد سے تھانیدار یوں بات کرتا ہے:

''گویا تم اقبال جرم کر رہے ہو؟ میں کسی بات کا اقبال نہیں کر رہا جو میں نے نہیں کی۔۔۔ اوں ہوں تھانیدار نے چالاکی سے سر ہلایا۔ تجھ جیسے نازک اندام لڑکے کو مارنے پیٹنے کا کیا فائدہ؟ تیرے تو یہاں چاہنے والے ہی بہت ہوں گے۔ اسد کے ساتھ کھڑا سپاہی ہاتھ بڑھا کر اس کے چوتڑ ملنے لگا۔''(۹)

فقرے لفظوں کی خوش آوازی، لفظوں کا موزوں اور مناسب ہونا موقع و محل کے اعتبار سے حسن الفاظ کا استعمال ہونا بہت ضروری ہے۔ ناول کے ہر لفظ کی نہ صرف بالذات اہمیت ہوتی ہے بلکہ موقع و محل کے لحاظ سے مناسب و موزوں جگہ و مقام پر اس کا استعمال بھی اہمیت رکھتا ہے۔

عبداللہ حسین کے ناول ''باگھ''کا اسلوب آسان دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے کہانی کے اندر آسان الفاظ، تشبیہات اور استعارات استعمال کر کے اپنی تحریر کو واضح اور صاف انداز تحریر میں قاری کے سامنے پیش کیا تاکہ قاری کو مشکلات درپیش نہ ہوں۔ ایک فقرے کو دوسرے فقرے کے ساتھ باہم مربوط کیا۔ ناول ''باگھ''میں تحریر کو گنجلک نہیں ہونے دیا بلکہ واضح اور صاف انداز تحریر سے عبارت کو سجایا ہے۔ مصنف کے اسلوب میں بے ربط تحریر نظر نہیں آتی بلکہ تحریر الجھن کے بغیر دکھائی دیتی ہے۔ یہ ناول معیاری تحریر لیے ہوئے ہے۔

اسد نے اپنی تعلیم اور اچھے رویے کی بنا پر حکیم کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ حکیم نے ایک دن اسد سے یہ بات بھی کی کہ ایک دن تم میری جگہ لو گے۔ ایک دن رات کو اسد اور یاسمین باہر سے گھر آئے تو انھوں نے حکیم کا کھلا ہوا کمرہ دیکھا تو حیرانگی میں پڑ گئے۔ کیونکہ یہ کمرہ رات کو صرف ایمرجنسی کی صورت میں کھلتا تھا۔ کھلے ہوئے کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ اسد نے ہمت کی اور آگے بڑھا۔ اسد یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ سامنے حکیم کی لاش پڑی تھی۔ جس کے ساتھ میر حسن بھی کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ مصنف نے میر حسن اور اسد کی گفتگو کو واضح اور صاف انداز تحریر میں قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسد سے میر حسن یوں گفتگو کرتا ہے:

''میں نے نہیں کیا۔۔۔ اللہ کی قسم

''کس نے کیا ہے؟''

مجھے نہیں پتا۔۔۔ میں تو آیا ہی ہوں۔۔۔ آواز حلق میں پھٹ گئی''

''کس نے؟۔۔۔ کس نے؟ اور کس نے کیا ہے؟''

''کسی اور نے کیا ہے۔۔۔ مجھے نہیں پتا۔''(۱۰)

اسد یاسمین کو باگھ (شیرنی) سے تشبیہ دیتا ہے جسے وہ تسخیر کرنا چاہتا ہے۔ اسد کو بیماری سے چار ماہ تک آفاقہ ہوتا ہے لیکن اس کے بعد پھر دورے پڑنے لگتے ہیں۔ اسد اپنی بیماری کا حکیم سے شکوہ کرتا ہے۔ حکیم اسد کو بتاتا ہے کہ مکمل بیماری کچھ عرصہ علاج کرنے کے بعد ٹھیک ہو جائے گی۔ میر حسن سے اسد دوبارہ ملاقات کرتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ حکیم مجھ سے دوا کے پیسے کیوں نہیں لیتا۔ حالانکہ وہ لوگوں سے علاج کے پیسے لے کر زمینیں خرید سکتا ہے اور نوکر بھی رکھ سکتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

عبداللہ حسین نے اپنے جاندار اسلوب کا استعمال کرتے ہوئے واضح اور صاف انداز تحریر میں بیان کیا ہے۔اسد کو میر حسن یوں جواب دیتا ہے:

''کام کاج، میر حسن ہنسا،اسے تو غلام چاہیں جن کے گلے میں رسا ڈال کر مطب میں باندھ رکھے،نوکر تو آزاد لوگ ہوتے ہیں۔''(۱۱)

عبداللہ حسین کے اسلوب کی ایک خوبی ان کا واضح انداز تحریر ہے۔ قاری کو مطالعہ کے دوران کسی بھی الجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔اسد کے باپ کی یہ خواہش تھی کہ وہ شیر کا شکار کرے۔اسد کے باپ نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ میں نے شیر کے سوا تمام جانوروں کا شکار کیا ہے۔اب اسد اپنے باپ کی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔اسد چاہتا ہے کہ وہ شیر کو ہلاک نہ کرے بلکہ اس کو اپنی زمینوں پر لے جائے۔بقول عبداللہ حسین:

''یہ بات نہ تھی کہ وہ اس شیر کو پکڑتا اور اسے پنجرے میں قید کر کے رکھنا چاہتا تھا۔اس کی خواہش تھی تو شیر مارنے کی اور وہ بھی محض ہلاک کرنے کی نہیں بلکہ اس کے تعاقب میں جانے کی۔اسے اس کی اپنی سرزمین پر جا لینے کی۔''(۱۲)

مصنف کا ناول ''باگھ''میں اسلوب جاندار دکھائی دیتا ہے۔اسد کو یہ خبر ملتی ہے کہ گمشد میں باگھ آچکا ہے تو اسد اس کے شکار کا فیصلہ کر لیتا ہے۔شیر کا شکار کرنا حقیقت میں اس کی اپنی تسخیر کی خواہش ہے۔جب اسد کو پتا چلتا ہے کہ گاؤں کے لوگ باگھ کو مارنا چاہتے ہیں تو اسد کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس نے باگھ کو بچانا ہے۔مصنف نے اپنے اسلوب میں واضح اور صاف انداز تحریر اختیار کیا ہے۔یاسمین نے اپنا اظہار یوں کیا ہے:

''صرف اس لیے اس کی جان کے پیچھے پڑ جانا کہ اس طرف آنکلا ہے اور جنگل میں کھڑا ہو کر گرجتا ہے،کہاں کا انصاف ہے۔''(۱۳)

مظاہر فطرت کی بوقلمونی اور قدرتی مناظر کی رنگارنگی،خوب صورت طرز تحریر اور قدرت بیان دونوں کا تقاضا کرتی ہے۔بقول عبداللہ حسین:

''سامنے والے پہاڑ سے سورج اونچا ہو گیا تھا اور صبح سویرے کی دھوپ ان کی اپنی پہاڑی کی پشت پر پڑ رہی تھی۔''(۱۴)

اسد پہلے ٹانگے شاہ کے روپ میں سفر کرتا ہے اور خود کو ہر مقام پر بے دخل بتاتا ہے لیکن ایک مقام پر جہاں ایک کشمیری اپنے بیٹے کو اسد کے نام سے پکارتا ہے اسد کو اس کے نام پر شک میں مبتلا کر دیتا ہے۔اتنی دیر میں لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو جاتا ہے۔بے دخل کو اس معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔یہاں مصنف نے بات کو واضح انداز سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔مصنف کے بقول:

''بے دخلوں سے ان لوگوں کی پوشیدہ نفرت کے آثار اب ظاہر ہونے لگے تھے۔کہاں کا ہے؟کوئی جاسوس تو نہیں۔''(۱۶)

عبداللہ حسین عورتوں کی نفسیات اور ان کی زبان سے بخوبی واقف دکھائی دیتے ہیں۔ان کو عورتوں کے مخصوص محاورات،روزمرہ اور لب و لہجہ پر مکمل دسترس ہے۔ انھوں نے اپنی اس ہنرمندی سے اپنی تخلیقات کو قاری کے سامنے دلچسپ بنا کر پیش کیا ہے۔عبداللہ حسین کے اقتباسات الگ سے کہیں رکھ دیے جائیں تو اپنے منفرد اسلوب کی بدولت بھیڑ میں بھی پہچان لیے جاتے ہیں۔ان کو مرد اور عورت کی نفسیات پر مکمل عبور حاصل ہے۔انسانی نفسیات کی پیشکش عبداللہ حسین کا خاص موضوع رہا ہے اور ان کے ناول ''باگھ''میں کردار کی نفسیاتی باریکیاں ان کے عمل اور ردعمل سے نمایاں ہوتی ہیں۔ان کی نفسیات سے آگاہی اور کرداروں کی باریکی سے مطالعہ ان کے اسلوب میں علامت کا پیرایہ لے کر آتا ہے۔انسان ایک ہی طرح کے واقعات سے کیسے متاثر ہوتا ہے؟اس کے تعجب،حیرت،خوشی،رنج،غصہ،نفرت،بغض،حسد اور اس قسم کے فطری جذبات کا اظہار کیسے ہونا چاہیے؟یہ تمام چیزیں سب انسانوں کے لیے ایک جیسی ہیں اور اسی لیے ناول کو عروج پر لے جانے کے لیے مصنف نفسیات سے زیادہ کام لیتا ہے۔

عبداللہ حسین کا ناول ''باگھ''نفسیاتی مطالعہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے۔عبداللہ حسین نے اس چیز سے اس قدر کام لیا ہے کہ وہ ان کے طرزِ تحریر کی ایک خصوصیت بن گئی ہے۔جیسے وہ جملوں میں جہاں تشبیہات کا استعمال کرتے ہیں تو وہاں نفسیاتی محسوسات کو کام میں لاتے ہیں۔عبداللہ حسین انسانی نفسیات اور باطن میں سفر کرنے کو اپنا وطیرہ بناتے ہیں۔داخلیت اور باطنیت کے گہرے سروکار کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ باطن کے بطن سے ایک نئی دنیا تیار کرتے ہیں۔انھوں نے اپنے ناول ''باگھ''میں انسانی نفسیات کے حقائق کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔انھوں نے لڑکیوں کے جنسی جذبات کی حقیقت کو قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔جب سردار دروازہ کھولنے کے لیے جاتا ہے تو یاسمین اسے دروازہ نہ کھولنے کا کہتی ہے تو اس موقع پر دونوں کی بے بسی اور ذہنی کرب کو عبداللہ حسین نے یوں بیان کیا ہے:

''وہ کنڈی اتارنے لگا تو یاسمین پھر اس کے سامنے آ گئی۔تھوڑی دیر اور دیکھ لو،اسدی۔شاید چلے جائیں۔''نہیں جائیں گے''اسد آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔''(۱۷)

عبداللہ حسین نے اسد اور یاسمین کی ذہنی کیفیت کو ہمارے سامنے واضح طور پر پیش کیا ہے۔اسد ایک لمبے سفر سے ابھی واپس آیا ہی ہوتا ہے کہ کچھ نامعلوم افراد اسد کو نامعلوم منزل کی طرف لے جاتے ہیں۔ابھی پاؤں کے زخم ٹھیک نہیں ہوئے تھے کہ ایک اور مصیبت آگھیرتی ہے۔اس موقع پر عبداللہ حسین نے اسد کے خیالات کی کچھ یوں ترجمانی کی ہے:

''یہ لوگ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں،اس کا مجھے علم نہیں اگر قید میں ڈالنا تھا تو اس طرح قیدی بنا کر لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟یہ عجیب سفر ہے۔''(۱۸)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

عبداللہ حسین کے اسلوب کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ کرداروں کی نفسیات سے بخوبی واقف دکھائی دیتے ہیں۔انھوں نے یہ جملہ بہت جاندار لکھا ہے کہ اگر قید میں ڈالنا ہی مقصد تھا تو قیدی بنا کر لے جانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ جرم و سزا کی جس طرح ناول ''باگھ'' میں ذہنیت کار گر دکھائی دیتی ہے۔ وہ پاکستانی پولیس کا طرہ امتیاز ہے۔ جب اسد کو غیر انسانی طریقے سے روحانی، جسمانی اور ذہنی سزا دی جاتی ہے وہ ناگفتہ بہ ہے۔ چاقو کی برآمدگی اور یاسمین کے بیان میں تبدیلی کر کے پیش کرنے کی جھوٹی اداکاری سے اسد حیران ہو جاتا ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا واقعی ہی اس نے ہی قتل کیا ہے۔اس کے بارے میں سفیر حیدر یوں لکھتے ہیں :

> ''پولیس سٹیٹ میں پولیس کا دست کرشمہ ساز جو چاہے کرے، قاتل وہ نہیں جو قتل کرے، قاتل وہ ہے جسے پولیس قاتل ثابت کرنا چاہے۔ تھانے دراصل انسان توڑنے پھوڑنے کی فیکٹریاں بن چکے ہیں۔ ان میں بیٹھے ہوئے آدم خور نہ صرف جسمانی تشدد سے کام لیتے ہیں بلکہ جنسی استحصال، نفسیاتی شخصیت انہدام اور اخلاقی بے راہ روی کو بھی فرائض منصبی میں شمار کرتے ہیں۔''(۱۹)

پولیس کا عوام کے ساتھ انتہائی شرمناک ہوتا ہے۔اس پر عبداللہ حسین نے آواز بلند کی ایک جگہ تھانیدار اسد سے اس طرح کی گفتگو کرتا ہے جو کہ انسانی نفسیات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ مصنف کے بقول :

> ''اقبال جرم کر رہے ہو؟
>
> ''کب جرم؟
>
> ''کہ تو نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا ہے اور کیسا؟''(۲۰)

عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''باگھ'' میں تھانیدار کے کردار سے جو الفاظ ادا کروائے ہیں وہ الفاظ تھانیدار کے ذہنی سطح کو نمایاں کر رہے ہیں۔ اسی لیے اس کردار کو قاری کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ ہر فنکار کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حقیقی کرداروں کو تخیل سے مزید حسین اور دلکش بنائے۔

عبداللہ حسین نے ناول ''باگھ'' میں انسانی نفسیات کی گہری عکاسی کی ہے۔انھوں نے اس ناول میں اس پہلو کو نمایاں کیا ہے کہ جب کوئی انسان مجبور ہو تو لوگ اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کے کام آئیں ناول ''باگھ'' میں ذوالفقار نامی ایک فوجی ایجنٹ ہوتا ہے۔ وہ اسد کو پولیس سے چھڑانے کے لیے ایک شرط رکھتا ہے کہ اسے مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے تحریک کا حصہ بننا پڑے گا۔اسد اور ذوالفقار کے درمیان گفتگو ملاحظہ ہو :

> ''یہاں سے بچ کر نکلنا تمہارا اولین فرض ہے۔ اس کا راستہ میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ یہاں سے جان چھڑانے کے بعد تمہارے آگے ایک ہی راستہ ہے۔ اجتماعی جنگ تا کہ انصاف کی کوئی شکل پیدا کر سکو۔''(۲۱)

آمرانہ نظام کے مظالم میں سرحد پار جانے کے لیے اسد کو نفسیاتی طور پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اسد یہ قدم اس لیے اٹھاتا ہے تا کہ آزادی حاصل کر سکے۔ عبداللہ حسین نے ناول ''باگھ'' میں معاشرے میں انسانی نفسیات کی گہری عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''باگھ'' میں موزوں ترین الفاظ کا استعمال کیا ہے اور تمام کردار نپی تلی گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی جو غیر ضروری ہو۔ اگر نثر کم الفاظ کا ہنر ہے تو مصنف نے اس ہنر کا خوب استعمال کیا ہے۔ کردار یوں بات کرتے ہیں جیسے الفاظ کو سنار کی ترازو پر تول کر لا رہے ہیں۔

عبداللہ حسین ایجاز و اختصار میں کمال کی مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی یہ مہارت قابل داد ہے۔ ناول ''باگھ'' میں تھانیدار کی گفتگو اور تھانے کا ماحول بہت جاندار ہے زندگی کے اس تاثر کی بدولت تھانے والا طویل حصہ پڑھتے بوریت نہیں ہوتی۔ عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''باگھ'' میں صرف کارآمد جملے استعمال کیے ہیں۔ انھوں نے کردار کو اس کی مرضی کی مطابق بولنے کی اجازت نہیں دی اور عقب میں بیٹھے تپلی ماسٹر کی طرح عبداللہ حسین ان کٹھ پتلیوں سے اپنے معیار کے مطابق الفاظ اگلواتے ہیں۔ یہ احساس ہوتا ہے کہ کردار بے ساختہ نہیں بولتے بلکہ فنکار اس کے اظہار پر اپنے فن کا پہرہ لگا کر بیٹھا ہے۔ جو لفظ کارآمد ہے وہی آگے آ سکتا ہے۔

ایک ایسے ٹاک شو کی طرح جو طویل عرصے تک انتہائی سنجیدگی سے جاری رہے اور تمام شرکا اس میں مدلل انداز میں اپنی باری پر اچھی گفتگو کر رہے ہوں، ذرا سوچیں کہ سننے والے کس کوفت کا شکار ہو جائیں گے اور پروگرام بیزار سمجھا جائے گا۔ ناول ''باگھ'' میں دو بار ایسا ہوا کہ دو بچھڑے ہوئے پریمی آپس میں ملے۔ اس دوران انھوں نے پیار کی کوئی بات نہیں کی۔ یہ بھی نہیں پوچھتے بتاتے کہ انھوں نے جدائی کا وقت کیسے گزارا، ہجر کی تنہائی میں کالی رات کے خوف نے ان پر کیا اثر کیا۔ صرف وہ باتیں جن سے ناول کا رکا ہوا عمل آگے بڑھتا ہے، وہ گفتگو ہوتی ہے۔ عبداللہ حسین کے اسلوب کی یہ ایک خوبی ہے کہ وہ ایجاز و اختصار کا استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مصنف ناول ''باگھ'' میں ایک جگہ یوں لکھتے ہیں :

> ''میں اس سے بات کرتا ہوں''
>
> ''کیا بات ؟''
>
> ''یہ گمشدہ کالڑکا ہے وہاں سے بھاگ کر آیا ہے۔''

''کیوں؟''

اسد ٹھٹک کر اس کا منہ دیکھنے لگا۔''(۲۲)

عبداللہ حسین نے ایجاز واختصار سے کام لیتے ہوئے بات کی ہے، بات مختصر مگر جامع کی ہے۔اسد کو بچپن سے ہی سانس کی بیماری نے گھیر لیا۔یہ مرض وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔اس مرض کا علاج کروانے اسد ایک گاؤں گمشد میں حکیم کے پاس علاج کروانے چلا جاتا ہے۔حکیم سے دوائی لینے کے بعد واپس گھر آجانے کے بعد پھر سے یہ مرض زور پکڑ لیتی ہے۔اسد کی اس کیفیت کو عبداللہ حسین نے ایجاز واختصار کے ساتھ اپنے ناول میں یوں تحریر کیا ہے:

''دورہ جب ہوتا تو پانچ منٹ کیا اور کیا پانچ گھنٹے، جان حلق میں اٹک جاتی، دماغ ماؤف ہونے لگتا جب گزر جاتا تو گردن سے لے کر کمر تک کی ہڈیاں درد سے چور ہو جاتیں۔جیسے بیلوں کی جگہ پر جت کر دن بھر کنویں کے چکر نکالتا رہا ہو۔نیند کی بے روک خواہش سارے بدن پہ چھا جاتی۔''(۲۳)

عبداللہ حسین نے اپنے ناول ''باگھ''میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کا باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے۔انھوں نے اپنے ناول میں فوجی جبر اور خفیہ ایجنسیوں کی کرتوتوں کو واضح طور پر پیش کیا۔ہمارے معاشرے میں تھانہ کلچر کے تمام پہلوؤں کو نمایاں طور پر قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔انھوں نے بتایا کہ تھانے میں ایف آئی آر کے بغیر قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔پاکستان میں دو قوانین ہیں۔ایک قانون غریب کے لیے اور دوسرا قانون امیر کے لیے جعلی پولیس مقابلے میں لوگوں کو مار دیا جاتا ہے۔اسد اور تھانیدار کے درمیان جو گفتگو ہوئی ملاحظہ کیجیے:

''تمہارا جرم میرا ثبوت ہے، یہ حکیم کا خون میرا ثبوت ہے۔یاسمین گل میرا ثبوت ہے۔مسلم بازار کا مولوی محمد حسین میرا ثبوت ہے اور کوئی ثبوت مانگنا ہے۔''(۲۴)

پولیس اسد کو مجرم ثابت کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتی ہے جب کہ اسد اس چیز سے بچنے کے لیے اپنی بے گناہی ظاہر کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتا ہے۔باگھ دراصل فوجی آمریت کا استعارہ ہے۔جس نے اس دور میں ہر طرف تجسس اور خوف طاری کیا ہوا تھا۔اس کے بارے میں افضال احمد بٹ یوں لکھتے ہیں:

''ناول میں ظاہر طور پر تو اسد اور یاسمین کی داستان دکھائی دیتی ہے لیکن خارجی طور پر مصنف نے تھانہ کلچر اور پاکستانی فوجی آمریت کا جبر دکھایا ہے۔''(۲۵)

عبداللہ حسین نے ناول ''باگھ''میں سماجی ناانصافیوں اور ان کے پس پردہ حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔انھوں نے معاشرے کی ناانصافیوں کے بارے میں آواز بلند کی تو حکومت ان کو فحاشی کے الزام میں دھر لینے کے چکر میں تھی۔اس حوالے سے قدرت اللہ شہاب نامہ میں یوں لکھتے ہیں:

''چند روز بعد مجھے مغربی پاکستان کے گورنر نواب کالا باغ کا ٹیلی فون آیا۔وہ اپنے مخصوص انداز میں بولے''بھائی شہاب! یہ ہمارے محترم صدر صاحب کس کنجر خانے میں پڑ گئے ہیں؟''(۲۶)

میری درخواست پر انھوں نے وضاحت فرمائی۔میرا ہوم ڈیپارٹمنٹ اور پولیس کا محکمہ بڑا سیخ پا ہو رہا ہے کہ جناب صدر مملکت کس چکر میں پڑ گئے ہیں؟میری مزید درخواست پر انھوں نے مزید وضاحت کی وہ جو''اداس نسلیں''نام کی لچر بکواس ہے اسے فحاشی کے الزام میں ضبط کر کے مقدمہ دائر کرنے کی مکمل تیاری تھی۔اب جناب صدر نے اپنے دست مبارک سے انعام دے مارا ہے۔اب ہم کریں تو کیا کریں؟گاؤں میں کوئی نہیں جانتا کہ حکیم کہاں سے آیا؟حکیم کی بیٹی یاسمین جو اسد سے پانچ سال بڑی ہے۔اسد اس کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن دونوں حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔اسد بے گناہ ہونے کے باوجود نہ کرنے والے گناہوں کا بار اٹھاتا ہے۔خالد محمود یوں لکھتے:

''جس تہذیب، معاشرت، ثقافت اور ملک میں جن مسائل کی تشریح کے اوزار اور آزادی ہی نہ ہو اس میں ان عذابوں کی کوئی تشریح نہیں کی جا سکتی۔''(۲۷)

عبداللہ حسین نے ناول''باگھ''میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کا باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے۔انھوں نے جعلی حکیموں کے حوالے سے بھی بات کی ہے۔حکیم میر حسن جو اسد کی سانس کی بیماری کا علاج کرتا ہے لیکن اسد کی طبیعت میں کوئی بہتری نہیں ہوتی۔گمشد میں میر حسن اسد کو بتاتا ہے کہ حکیم کسی کا مکمل علاج نہیں کرتا بلکہ اس کا علاج اس کنویں کی مانند ہوتا ہے۔جس میں پانی پینے کے لیے اترو گے۔پھر وہیں کے ہو کے رہو۔اسد کو چار ہفتے علاج کے بعد بھی کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اور اسے دوبارہ دورے پڑنے لگتے ہیں۔حکیم اسد کو جھوٹی تسلی دیتا ہے کہ یہ بیماری آہستہ آہستہ رفع ہو گی۔اس کے لیے مزید وقت درکار ہو گا۔

حکیم لوگوں کا علاج کرنے کی مد میں ان سے پیسے بٹور کر اپنی زمینیں خریدتا ہے۔عبداللہ حسین نے ناول''باگھ''میں پولیس کے روایتی کلچر کے بارے میں بھی وضاحت سے بات کی ہے۔پولیس اسد کو حکیم کے قتل کے شبہ میں پکڑ کرلے جاتی ہے اور غیر انسانی تشدد کے ذریعے گناہ قبول کروانے کی کوشش کی جاتی ہے۔خالد اشرف کے بقول:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

"باگھ کے اسد کی گرفتاری، رہائی اور دوبارہ گرفتاری کا فکاکے، دی ٹرائل کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ جہاں ایک بے گناہ شہری کی بغیر کسی قانون شکنی یا جرم کے ایک دن کچھ پراسرار لوگ بتاتے ہیں کہ کل اسے عدالت میں پیش ہونا ہے۔" (۲۸)

تھانیدار اسد کو ایک خون آلود چاقو دکھا کر کہتا ہے کہ تسلیم کرو کہ یہ آپ کا ہی ہے۔ ناجائز بات منوانے کے لیے تھانیدار اسد کو گالیاں نکالتا ہے۔ اسد نے تھانیدار کو وکیل کی بات کی تو تھانیدار نے جو کہا وہ جملہ ملاحظہ ہو:

"وکیل سے تھانیدار نے طنز آدہرایا" کسی وکیل سے۔ اچھا، ایڈووکیٹ جنرل کا انتظام نہ کردوں تیرے لیے۔" (۲۹)

عبداللہ حسین نے ناول "باگھ" میں تھانہ کلچر کو نمایاں طور پر دکھایا ہے۔ اسد تھانیدار سے کہتا ہے کہ جب یاسمین تیرے خلاف بھگتے گی تو تمہیں تب پتہ چلے گا۔ اسد حق پر تھا اور وہ تھانیدار سے کہتا ہے کہ مجھے عدالت میں پیش کرو۔ مجھے انصاف چاہیے۔ مجھے عدالت کیوں نہیں پیش کر رہے ہیں۔ اس پر تھانیدار اس کی ایک بار پھر تلاشی شروع کر دیتا ہے:

"ایک بار پھر قیدی کی تلاشی سر کے بالوں سے شروع ہوئی۔ کانوں میں روشنی چھینکی گئی۔ منہ کھولو، آگے جھکو، بھدی اور کرخت انگلیاں اس کے پوشیدہ حصوں میں گھستی اور نکلتی رہیں۔" (۳۰)

عبداللہ حسین نے روایتی پولیس کے حوالے سے بتایا کہ وہ گرفتاری ڈالنے کی بجائے حبس بے جا میں رکھ کر اذیتیں دیتے ہیں۔ تھانیدار اسد پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا ہے۔ اسد اپنے اوپر ہونے والے تشدد کے خلاف اپنی آواز بلند کرتا ہے تو تھانیدار کہتا ہے کہ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم پر تشدد ہو رہا ہے۔ اس کی بات سن کر اسد یوں کہتا ہے:

"یہ، اسد نے اپنی زنجیریں دکھائیں پھر ہتھکڑی کھسکا کر کلائی اس کے آگے کی جو کڑے کی مربوں سے سرخ اور نیلی ہو کر سوج چکی تھی اور یہ ---" اس نے اپنے ننگے اور غلیظ بدن کی طرف اشارہ کیا،

"اس کے لیے ثبوت کی کیا ضرورت ہے؟"

"بلکل"

"تھانیدار نے سر ہلا کر تصدیق کی" ثبوت کے بغیر نہ تیرا وجود ہے نہ میرا، نہ اس مقدمے کا۔" (۳۱)

عبداللہ حسین نے ناول "قید" میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کا باریک بینی سے مطالعہ کرتے دکھائی دیتے ہیں اور روایتی پولیس مجرم کا جرم ثابت ہونے سے پہلے ہی مجرم ثابت کرنے پر زور لگا دیتی ہے۔ پولیس اسد کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتی ہے ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ مثبت سوچ رکھتے ہیں۔ کرم دین اسد کے کہنے پر رفع حاجت والی بالٹی خالی کر دیتا ہے اور اسد کو کھانا کھلانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ عبداللہ حسین نے ناول "قید" میں کرم دین کے ذریعے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ابھی ایسے لوگ زندہ ہیں جو انسانیت کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ جو خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کی بھلائی کرتے ہیں جب کرم دین اسد کو کھانا کھلاتا ہے تو اس وقت کا منظر ملاحظہ کیجیے:

"کھالے کھالے۔ مرجائے گا کمزوری سے۔ کسی کھڈ میں ڈال کر اوپر پتھر پھینک دیے گئے تو پتا بھی نہیں چلے گا۔ کہاں سے آیا۔ کہاں گیا۔ طاقت قائم کرنے کی کوشش کر اسی طرح بچے گا جب تک بچے گا۔" (۳۲)

مصنف نے علامتی و استعاراتی انداز اختیار کیا۔ ناول کا عنوان "باگھ" خود ایک علامت ہے جو مصنف کے اسلوب کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جیل خانہ جات اور دوسرے مختلف قسم کے مناظر و مقامات کا اظہار، مردانہ و زنانہ کرداروں کے افعال اعمال کے لیے جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ وہ ان کے بہترین اسلوب پر دال ہیں۔ عبداللہ حسین کے تمام ناولوں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی لیکن "باگھ" کو فنی اعتبار سے بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ مصنف نے قصہ گوئی کے تمام تقاضے بطریق احسن پورے کیے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان: "اردو ناول کے بدلتے تناظر" ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۲

2۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر: "عبداللہ حسین شخصیت اور فن" اکادمی ادبیات، پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۲۵

3۔ عابدہ نسیم: (مضمون) "عبداللہ حسین بطور ناول نگار" مشمولہ "عبداللہ حسین ایک مطالعہ" (مرتبہ) ڈاکٹر سید عامر سہیل، بیکن ہاؤس بکس، لاہور، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۳۵۹

4۔ ڈاکٹر اصغر بلوچ: (مضمون) "عبداللہ حسین کا ناول باگھ، کرداری مطالعہ" مشمولہ "عبداللہ حسین ایک مطالعہ" (مرتبہ) ڈاکٹر سید عامر سہیل، بیکن ہاؤس بکس، لاہور، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۲۰۸

5۔ ڈاکٹر خالد اشرف: "برصغیر میں اردو ناول" فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷

6۔ خالد محمود خان: (مضمون) "باگھ، عبداللہ حسین کا بند استعارہ" مشمولہ "عبداللہ حسین ایک مطالعہ" (مرتبہ) ڈاکٹر سید عامر سہیل، بیکن ہاؤس بکس، لاہور، جنوری

۲۰۱۶ء، ص۱۷۵
7۔ محمد عاصم بٹ: ''عبداللہ حسین شخصیت اور فن'' ۲۰۱۶ء، ص۱۰۹
8۔ عبداللہ حسین: ''باگھ'' سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص۲۳۔۲۴
9۔ ایضاً، ص۶۰۔۶۱
10۔ ایضاً، ص۱۲۱
11۔ عبداللہ حسین: ''باگھ'' ۱۹۸۸ء، ص۵۷
12۔ ایضاً، ص۱۰
13۔ ایضاً، ص۸۱
14۔ عبداللہ حسین: ''باگھ'' ۲۰۱۵ء، ص۱۲۰
15۔ عبداللہ حسین: ''باگھ'' ۱۹۸۸ء، ص۳۲۸
16۔ ایضاً، ص۳۴۴
17۔ ایضاً، ص۳۶۰
18۔ عبداللہ حسین: ''باگھ'' ۲۰۱۵ء، ص۱۶۰
19۔ بازغہ قندیل: ''اردو ناول میں فطرت انسانی کے زوال کی تمثیلات'' (ایم فل۔اُردو)، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء، ص۱۵۵
20۔ عبداللہ حسین: ''باگھ'' ۲۰۱۵ء، ص۱۲۰
21۔ ایضاً، ص۲۶۸
22۔ ڈاکٹر خالد اشرف: ''برصغیر میں اردو ناول'' ۲۰۰۵ء، ص۲۶۹
23۔ عبداللہ حسین: ''باگھ'' ۱۹۸۸ء، ص۱۶۶
24۔ نوشاد عالم: ''آگ کا دریا اور اداس نسلیں کا تقابلی مطالعہ'' (پی ایچ۔ڈی اُردو)، شعبہ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۲ء، ص۲۲۰
25۔ ڈاکٹر افضال احمد بٹ: ''اردو ناول میں سماجی شعور'' پورب اکادمی، اسلام آباد، طبع دوم، ۲۰۱۵ء، ص۲۰۰
26۔ قدرت اللہ شہاب: ''شہاب نامہ'' سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 34واں ایڈیشن، ۲۰۰۹ء، ص۲۷۷
27۔ خالد محمود خان: (مضمون) ''باگھ، عبداللہ حسین کا بند استعارہ'' جنوری ۲۰۱۶ء، ص۱۷۶
28۔ ڈاکٹر خالد اشرف: ''برصغیر میں اردو ناول'' ماڈرن پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص۲۷۰
29۔ عبداللہ حسین: ''باگھ'' ۱۹۸۸ء، ص۱۴۷
30۔ ایضاً، ص۱۴۷۔۱۴۸
31۔ ایضاً، ص۱۶۰
32۔ ایضاً، ص۱۴۸